Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:11-12 (1966)

انتخاب

جمہوریہ جنوبی افریقہ میں سودی لین دین کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

پچھلے دنوں جمہوریہ جنوبی افریقہ کے مسلمان کاروباری طبقوں کے بعض نمائندوں نے دارالعلوم دیوبند سے اپنے ہاں کے بینکوں اور مالیاتی اداروں سے مناسب شرح سود پر ترقیاتی کاموں کے لئے سرمایہ قرض لینے کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ اس ضمن میں ان کی طرف سے جو یادداشت بھیجی گئی اور دارالعلوم دیوبند سے اس کا فتویٰ کی شکل میں جو جواب دیا گیا، دونوں ایک پمفلٹ کے طور پر ڈربن سے شائع کئے گئے ہیں۔ یہ اقتباس اسی پمفلٹ سے لیا گیا ہے۔ (مدیر)

جمہوریہ جنوبی افریقہ میں موجودہ حالات کے تحت اقتصادی ترقیات میں مسلمانوں کے لئے مواقع کے متعلق یادداشت۔

(۱)

جمہوریہ کی تقریباً ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی کل آبادی چار نسلی طبقات پر مشتمل ہے جس میں ایک کروڑ دس لاکھ افریقی۔ ۳۵ لاکھ سفید فام۔ ۱۵ لاکھ حبشی نژاد اور ۵ لاکھ ایشیائی لوگ شامل ہیں۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

(۲)

مختلف نسلی طبقات کے اقتصادی وسائل کی باگ ڈور اور ان کی تقسیم عموماً مرکزی حکومت یعنی حکمران سفید فام طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ سیاسی اقتدار اور تجارتی و صنعتی میدانوں میں اپنی وسیع معلومات اور برتری علی الرغم سفید فام طبقہ نے ملک کے بہترین اقتصادی ذرائع و مواقع کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور غیر سفید اقوام پر روزگار سے لے کر سرمایہ کاری کے میدان تک متعدد اور مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ جمہوریہ کی مسلمان قوم پر اس طرزِ عمل کا بہت مضر اثر پڑ رہا ہے اور خصوصاً جداگانہ ترقیات کی سیاسی پالیسی کی بناء پر جس کے قانونی حیثیت سے عائد کئے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار، جائداد کی ملکیت اور جائدادوں پر تصرف کے لئے سخت خطرات پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر یہ پالیسی آئندہ چند سالوں تک جاری رہی تو عین ممکن ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص کاروبار اور جائدادیں سفید فاموں کے تصرف میں چلی جائیں۔

(۳)

مختلف نسلوں کے لئے جداگانہ ترقیاتی منصوبوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر نسل اپنے محدود علاقہ کے محدود اقتصادی ذرائع و مواقع میں محصور ہو کر رہ جائے گی۔ حالات جس نہج پر چل رہے ہیں ان کے تحت مختلف نسلی گروہوں کے مابین کاروبار تدریجاً کم ہوتے ہوتے ختم ہو جائیں گے اور سفید فام نسل اور غیر سفید نسلوں کے درمیان اقتصادی رشتہ صرف مالک و ملازم کا رہ جائے گا۔ اور غیر سفید نسلوں کا کام سفید نسلوں کے کاروباری صنعتی اور زرعی منطقوں میں مزدوری کرنا رہ جائے گا۔

(۴)

باوجود ان تمام پابندیوں کے اب بھی صنعتوں کو فروغ دینے کی کچھ نہ کچھ (گو بہت کم) آزادی حاصل ہے جن کی مصنوعات جمہوریہ کے عام بازاروں میں آزادی کے ساتھ فروخت ہوسکتی ہیں۔ نیز ان غیر ملکی بازاروں کو بھی بھیجی جاسکتی ہیں جو جمہوریہ سے برآمد کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

(۵)

جمہوریہ کے اقتصادی نظام کا ڈھانچہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ہے، جس میں مالیات کی فراہمی کے لئے بینکوں، مالیاتی اداروں، تعمیری سوسائیٹیوں اور بیمہ کمپنیوں سے قرضے حاصل کئے جانے کے مواقع حاصل ہیں۔ یہی ادارے ترقیاتی منصوبوں کے لئے زیادہ تر سرمایہ فراہم کرتے ہیں نیز حکومت کی جانب سے

ایسی عوامی بچت کی اسکیموں کی بڑی ہمت افزائی کی جارہی ہے جن کے تحت عوام سیونگز بینکوں اور تعمیری سوسائٹیوں میں بچت کی رقمیں جمع کریں۔

(۶)

صنعت اور کاروبار میں قرض کا لین دین اس قدر زور شور سے چل رہا ہے کہ بکری کا زیادہ تر حصہ کاروباری لوگوں نیز عام صارفین کو تیس ۳۰ دنوں سے لے کر چوبیس ۲۴ ماہ تک کے قرض کی صورت میں ہی دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ادھار کاروبار کے اس طریقہ کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی فراہمی اکثر و بیشتر انفرادی کاروباری وحدتوں کے بس سے باہر ہوتی ہے تاوقتیکہ وہ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کا زیادہ سے زیادہ سہارا نہ لیں اور مالی امداد و اعانت کا حصول ہر حالت میں فوری طور پر ممکن ہوتا ہے بشرطیکہ کاروبار منظم اور مستحکم ہو۔

(۷)

جائداد غیر منقولہ اور زرعی اراضیات کے حصول اور ترقی کے لئے بھی اس قسم کے مالیاتی اداروں سے سرمایہ بہت آسانی سے اور مناسب شرائط پر حاصل ہو سکتا ہے۔

(۸)

اسلام کے مالیاتی نظام میں سارے عالم کے مسلمانوں پر زرعی، کاروباری اور صنعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر زور دیا گیا ہے۔ جمہوریہ ہذا کے مسلمان بسبب ان سیاسی حالات کے جن کی صراحت کی جاچکی ہے اقتصادی دوڑ میں بجز اس کے کہ اسی حد تک معمولی حصہ لے سکیں۔ جہاں تک کہ حالات اجازت دیتے ہیں، آزادی کے ساتھ حسب دل خواہ حصہ نہیں لے سکتے حتیٰ کہ ملازمتوں کے معاملہ میں بھی قانونی پابندیاں عائد ہیں۔ مثلاً "جاب ریزرویشن ایکٹ" (ملازمتوں میں تحفظ کا قانون) جس کے تحت تمام کاروبار اور صنعتوں میں بڑی بڑی تنخواہوں والی ذمہ داری کی آسامیاں سفید فام اقوام کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں۔

(۹)

جمہوریہ ہذا اس وقت ایک عظیم صنعتی انقلاب کے دور سے گزر رہی ہے اور محدود ذرائع و وسائل کے باوجود مسلمانوں کو اس صنعتی ترقی میں حصہ لینے کے اچھے خاصے مواقع حاصل ہیں۔ ملکی حکومت چاہتی ہے کہ مسلمان بقیہ ہندوستانی قوم کے ساتھ صنعتی کاروبار اور صنعتی ترقی میں اس سے زیادہ حصہ لیں جتنا کہ ابھی تک لیتے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان تجارت میں کم سے

کم حصہ لیں بلکہ صنعتی کاروبار اور صنعتی ملکیتوں کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں اور انہیں اپنائیں۔

(۱۰)

مسلمانوں کے لئے اعلیٰ ترین فنی اور کاروباری تعلیم کے حصول کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور توقع ہے کہ یہ مواقع رفتہ رفتہ بڑھتے ہی رہیں گے۔ جمہوریہ میں اعلیٰ تربیت یافتہ فنی اشخاص کا فقدان ہے اور پالیسی کا رجحان رفتہ رفتہ اس جانب ہو رہا ہے کہ فنی طور پر تربیت یافتہ لوگوں کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے غیر سفید اقوام کو اس میدان میں زیادہ سے زیادہ مواقع دیئے جائیں۔

(۱۱)

رہائشی مکانات کی فراہمی کے سلسلہ میں بھی حکومت کی طرف سے ایک ادارہ کے ذریعہ جو "نیشنل ہاؤسنگ کمیشن" کہلاتا ہے، بڑے فیاضانہ اقدامات کئے جا رہے ہیں نیز نجی حلقوں میں بلڈنگ سوسائیٹیاں (تعمیری انجمنیں) اور دوسرے مالیاتی ادارے یہی کام کر رہے ہیں۔ اس طرح اس میدان میں اتنے قیمتی اور آسان مواقع حاصل ہیں کہ ایک معمولی مزدور بھی جو اقتصادی طور پر پست ترین سطح پر ہو معمولی سی رقم فراہم کر کے اپنا ذاتی مکان حاصل کر سکتا ہے۔ خریدی کی بقیہ رقم اور سود جس کی شرح ۵ سے ۶½ فیصدی سالانہ تک ہوتی ہے، ۳۰ سال کی مدت تک قابل ادائیگی ہوتی ہے۔ مکانات کے حصول کے سلسلہ میں امداد کی اس نوعیت نے مزدور پیشہ اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ انہیں مکانات اور فلیٹوں کے گراں کرایہ سے نجات مل جاتی ہے اور اس کے علاوہ نجی مکانات کے حصول سے انہیں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے اور زندگی بڑی پُرسکون اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔ ان حالات کے تحت آئندہ نسلوں کی پرورش اور نشوونما کرایہ کے مکانوں کی زندگی کے مقابلہ میں کہیں بہتر طریقہ پر ہو سکے گی۔

(۱۲)

مسلمانوں کی ملکیت میں بیش قیمت قطعات اراضی ہیں جو انہوں نے بہت پہلے جمہوریہ کے مختلف شہروں اور قصبات میں خرید کئے تھے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر قطعات موجودہ رجحان کے مطابق جدید طرز پر تکمیل طلب ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے پاس اس فوری ترقیاتی کام کے لئے سرمایہ کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کے پاس جو کچھ ہے بس یہ کہ ان بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کریں جو مناسب شرح سود پر ترقیاتی کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ اگر مسلمان ترقیاتی امور میں ان اداروں سے فائدہ نہیں

اٹھاتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان بیش قیمت قطعات اراضی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، جس کی تلافی موجودہ صورتحال قائم رہتے ہوئے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

(۱۳)

اکثر ایسے مواقع آتے رہتے ہیں کہ بیش قیمت قطعات اراضی جو کاروباری لحاظ سے مرکزی مقامات پر واقع ہوتے ہیں، بازار میں فروخت ہوتے ہیں اور قیمت کا صرف ۲۰-۲۵ فیصد حصہ ابتدائی طور پر جمع کر کے انہیں حاصل کیا جا سکتا ہے اور بقیہ قیمت مالیاتی اداروں سے مناسب شرح سود پر قرض لے کر ادا کی جا سکتی ہے۔ ایسے مواقع پر بھی اگر ان مالیاتی اداروں سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو یہ بیش قیمت قطعات غیر مسلم ہندوستانی اور دوسرے لوگ خرید لیتے ہیں اور ایسی صورت میں مسلمانوں کے کاروباری مفاد کو سخت دھکا لگتا ہے۔ اس قسم کے متعدد واقعات کا تجربہ ماضی میں ہو چکا ہے۔

(۱۴)

صنعتی ترقیات کے لئے بھی مسلمانوں کے پاس مطلوبہ سرمایہ کی کمی ہے۔ اس میدان میں بھی مروجہ اقتصادی نظام کے تحت صنعتی ترقیات میں مسلمانوں کے لئے اسی صورت میں حصہ لینا ممکن ہے کہ جو کچھ سرمایہ ان کے پاس ہے، اسے کام میں لگائیں اور باقی مطلوبہ سرمایہ ذیل کے ذیل سے حاصل کریں:

(الف) انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (صنعتی ترقیاتی ادارہ) جو ایک نیم سرکاری ادارہ ہے اور ہر وقت ترقیاتی کاموں میں نصف سرمایہ لگانے کو تیار رہتا ہے، بشرطیکہ بقیہ نصف صنعت کار خود مہیا کرے۔

(ب) مالیاتی اداروں سے قرض لے کر یہ ادارے اُدھار بکے ہوئے مال کی بیجک اور ہُنڈی وغیرہ کی ضمانت پر کاروباری سرمایہ کی فراہمی کا معقول اور مناسب انتظام کرتے ہیں۔

(ج) مسلمانوں میں کفایت شعاری اور بچت کا جذبہ پیدا کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ مسلمانوں کی اپنی مالیاتی تنظیموں میں بچت کی رقمیں جمع کریں۔

(د) مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ مسلمانوں کی اپنی قائم کردہ کمپنیوں کے معمولی اور پریفرنس حصے خریدیں۔ سرمایہ کی فراہمی کی ان جملہ صورتوں میں سُود کا سوال ہمہ وقت موجود رہتا ہے اور بلا سود کے کسی قسم کے قرض کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۵)

مسلمانوں پر خود مسلمانوں نیز دوسرے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی

ہے، اوراس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہیں جمہوریہ میں روز افزوں ترقی پذیر صنعتی انقلاب میں پورا پورا حصہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ چیز ملک کے مروجہ اقتصادی نظام سے اشتراک کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۱۶)

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی کا تناسب جمہوریہ ہذا میں کل آبادی کا نصف فیصد سے بھی کم ہے اور موجودہ مروجہ نظام میں مسلمانوں کا اپنے ذاتی اسلامی نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنا فعل عبث ہے اور اس میں کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یہ بات زیادہ واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ اگر اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت مثلاً مصر و پاکستان بھی صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کی بقاء اور ترقی کے لئے قائم شدہ بینکوں اور مالیاتی اداروں کے فروغ کو نظر انداز نہیں کرسکیں جن کی بنیاد سودی نظام پر قائم ہے۔

(۱۷)

اگر صحیح اعداد و شمار فراہم ہوسکیں تو یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مسلمانوں نے جمہوریہ ہذا میں جو دولت پیدا کی ہے اس کا معتدبہ حصہ اسی مغربی اقتصادی نظام کے تحت کئے ہوئے کاروبار کے ذریعہ پیدا کیا گیا ہے اور مسلمانوں نیز غیر مسلموں کے لئے فراہمی روزگار، حصول تعلیم، مذہبی ترقیات اور سماجی بہبود میں بہت بڑی حد تک اسی دولت کا استعمال ہوا ہے۔

(۱۸)

مسلم قوم کو درپیش مسائل کے چار رخ ہیں جو متعدد عناصر پر مشتمل ہیں، جن میں اقتصادی حالات اور اُن کا مذہبی کٹرپن وغیرہ شامل ہیں۔ ان چار رُخوں کی حسب ذیل تشریح کی جاسکتی ہے:۔

(اوّل) مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مغربی اقتصادی نظام سے منسلک ہے اور بینک اور مالیاتی طریقۂ کار کے اس نظام سے مستفید ہو رہی ہے جو مغربی سرمایہ دارانہ جمہوریتوں کا طرۂ امتیاز ہے اور اسی طریقہ سے کمائی ہوئی دولت قوم کے مختلف افادی کاموں میں لگ رہی ہے مثلاً روزگار کے مواقع کی فراہمی، تعلیمی امداد اور متعدد طریقوں پر عوامی معیار زندگی کو بلند کرنے اور سماجی بہبود کی تحریکوں کی ہمت افزائی۔

(دوم) بہت سے دوسرے مسلمانوں میں موجودہ اقتصادی نظام کے خلاف نفرت و کراہت کا

رجحان پایا جاتا ہے۔ ایسے مسلمان، مثال کے طور پر، کاروبار میں، چھوٹی چھوٹی خوردہ فروشی کی دکانوں تک اپنا کاروبار محدود رکھتے ہیں اور اپنا زائد سرمایہ مستقل املاک میں لگا دیتے ہیں، جس سے خود یہی لوگ یا ان کے قریبی عزیز و اقارب مستفید ہوتے ہیں۔ ان میں عوامی افادیت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا اور یہ طرز عمل ایسے رجحانات کے راستہ میں حائل ہوتا ہے جو قومی اور اجتماعی ذمہ داریوں کی بجا آوری میں وسعت نظر پیدا کرتے ہیں۔

(سوم) علماء کرام کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ ان اقتصادی مسائل کے حل کے لئے جن سے مسلمان دوچار ہیں، اسلام کے اقتصادی نظام کی سخت شرائط میں ذرا بھی لچک پیدا کرنے کو تیار نہیں ہیں اور اس موضوع پر اپنی تقریروں میں پیراگراف ۱۸ میں مذکور مسلمانوں کے طرز عمل کو قابل نفرت ٹھہراتے ہیں اور اللہ کے نزدیک انہیں سخت ترین گنہگار قرار دیتے ہیں۔ عدم رواداری کے اس طرز عمل سے، خصوصاً جبکہ علماء کرام اپنی عام تقریروں میں اس پر پورا زور بیان صرف کر دیتے ہیں، عوام کے ذہنوں پر کافی اثر ہوتا ہے اور ان لوگوں کا جذبۂ رشک و حسد جو اس نظام سے مستفید نہیں ہوئے۔ استفادہ حاصل کرنے والے طبقہ کے خلاف مشتعل ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

(چہارم) سوسائٹی کا یہ انتہا پسند طبقہ جو موجودہ اقتصادی نظام سے مستفید نہ ہونے والا کہا گیا ہے اس کا عام رویّہ، اس طبقہ کے خلاف جو اس سے مستفید ہوتا ہے، مخالفانہ اور معاندانہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کا علماء کرام کی ہمنوائی کرنا ممکن ہے کسی حد تک مذہبی جذبات کے تحت ہو، لیکن عام طور پر اس کا اصل محرک ان کا طبقاتی گروہ بندی کا وہ جذبہ ہوتا ہے جو اقتصادی حسد کی بناء پر غریب اور امیر کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔

(۱۹)

ایک بار پھر جمہوریہ میں قابل حصول وسیع صنعتی وسائل و مواقع پر نظر ڈالئے۔ فنی تربیت جس کے حصول کے لئے اور لوگوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی روز افزوں آسانیاں حاصل ہیں۔ اس کی اہمیت اور ضرورت کو ذہن نشین کر کے اگر مسلمان ان مواقع سے دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں تو متعدد مفید، وسیع اور منافع بخش پیشوں کے دروازے ان پر کھل سکتے ہیں جو عام معیار زندگی کی بلندی اور قومی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مسلمان ان وسائل اور تربیتی میدان میں حاصل شدہ مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو دوسرے غیر مسلم ہندوستانی ان مواقع کو اپنا لیں گے۔ اور مسلمان من حیث القوم دوسرے ہندوستانیوں سے پیچھے رہ جائیں گے جو اُن کے مستقبل کے لئے تباہ کن ہوگا۔

(۲۰)

بہر حال جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے سامنے جو سوال ہے واضح اور مجمل طور پر یہ ہے کہ ان خصوصی حالات کے تحت راہ عمل کے انتخاب میں مسلمان کیا کریں ؟ آیا وہ اس اقتصادی نظام اور جمہوریہ کے اقتصادیات کے ارتقائی حالات سے پورا پورا تعاون اور اشتراک کریں یا ان سے بالکل بے نیاز ہو کر ان انتہائی محدود وسائل اور ذرائع پر قناعت کریں جو ایک قطعی بیگانہ ماحول میں اسلام کے اقتصادی اصولوں سے حاصل ہو سکتے ہیں

اس سوال کا یہ منشاء قطعی نہیں ہے کہ ایک ایسے اقتصادی نظام کے متعلق جس میں مسلمان بحیثیت ایک سرمایہ دارانہ نظام کے حصہ دار ہونے کے شامل ہوں، کوئی عام ضابطہ متعین کیا جائے۔ بلکہ یہ سوال، جیسا کہ ظاہر ہے، صرف ان حالات تک محدود ہے جن سے مسلمان بحیثیت ایک معمولی اقلیت کے جمہوریہ جنوبی افریقہ میں دوچار ہیں۔ جہاں وہ ایک ایسی عظیم اکثریت کے درمیان گھرے ہوئے ہیں جو مغربی اقتصادی نظام کو ذہنی نیز عملی حیثیت سے پوری طرح اپنائے ہوئے ہے۔

(۲۱)

دوسرے الفاظ میں یہی سوال اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ آیا مندرجہ بالا حالات کے تحت جمہوریہ جنوبی افریقہ میں مسلم قوم کی معمولی سی اقلیت کو ملک کی ابھرتی ہوئی اقتصادی ترقیات میں اپنا جائز حصہ لے کر ملکی، سماجی اور مذہبی میدانوں میں آگے بڑھنا چاہیئے یا ان عظیم ترقیات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیئے اور ان نتائج کو بھگتنا چاہیئے جن کا اس اقتصادی دور میں حصہ نہ لینے سے بروئے کار آنا لازمی ہے۔

اوّل الذکر صورت کا انتخاب مسلمان قوم کے لئے ایک ابھرتا ہوا معیار زندگی پیش کرتا ہے اور ان میں ایسا پختہ شعور پیدا کرتا ہے جو انہیں ان بڑھتے ہوئے حقوق شہریت کیلئے تیار کرتا ہے جو جلد ہی تکمیل کو پہنچنے والے ہیں اور جن سے اعلیٰ تعلیم اور بڑھتے ہوئے احساسِ خودداری کے سوتے پھوٹتے ہیں اور جو مذہبی واقفیت اور مذہب سے سچی لگن کا پیش خیمہ ہیں۔

دوسری صورت یعنی اکثریت کے ترقی کے میدانوں میں بڑھتے ہوئے سیلاب عظیم سے کنارہ کشی اور روگردانی جس سے مسلم قوم کی معمولی سی اقلیت گھری ہوئی ہے، کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلمان ایک نہایت پست قسم کی اقتصادی پوزیشن میں آجائیں اور مستقلاً مفلسی اور ناداری کا شکار ہو جائیں جس کے نتیجہ میں

ان میں طبقاتی افتراق اور کشمکش اور اقتصادی بدحالی میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے اور بالآخر ان میں شکست خوردگی کا وہ احساس پیدا ہوجائے جو متحرک اور آگے بڑھتی ہوئی دنیا سے کٹ کر پسپائی کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۲۲)

ان ہی خصوصی مسائل پر جمہوریہ جنوبی افریقہ کے مٹھی بھر مسلمانوں کو غیر معمولی اور معقول رہنمائی کی ضرورت ہے اور وہ ان حضرات سے جو خود ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہلیت اور فراست کے مالک ہیں۔ معتبر مشورہ اور ذمہ دارانہ رہنمائی کے طلب گار ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

۱۷۴ (د) ۱۵۵۴

الجواب وھو الملھم للصواب

سود اور سود در سود کا حرام ہونا آیۃ احل اللہ البیع وحرم الربوا اور یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفا (الآیۃ) جیسی بہت سی قطعی نصوص سے ثابت ہے۔ جن میں سخت ترین وعیدیں مذکور ہیں، اور جن اقتصادی اور تمدنی مشکلات کا ذکر استفتاء میں کیا گیا ہے وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ لیکن جس وقت سودی لین دین کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تھا اس وقت بھی یہ مشکلات اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زائد تھیں مگر اس کے باوجود ان کی وجہ سے نہ اس وقت اجازت دی گئی تھی اور نہ سود محرّم کی آج اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ ساری خرابی ماحول اور معاشرہ کی ہے نفس حکم میں کوئی خرابی یا سختی نہیں ہے۔ ہاں یہ امر قابل غور ہے کہ سود کی صورت کہاں پائی جا رہی ہے اور کہاں نہیں۔ یعنی سود کے تحقق اور عدم تحقق میں تو آئمہ مجتہدین "رحمہم اللہ" کا اختلاف ہوا ہے مگر سود کی صورت متحقق ہونے کے بعد اس کی حرمت میں کسی کو اختلاف وکلام کی گنجائش نہیں ہے اور بلاشبہ نصوص قطعیہ کی موجودگی میں کسی کو لب کشائی کی مجال بھی نہیں ہے۔ آئمہ مجتہدین کے اسی اجتہادی فرق کا باعث ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان کاروبار میں سود کے تحقق کو تسلیم نہیں کیا جس کی وجہ یہی ہے کہ دار الحرب میں کفار کے مال کو ان نصوص کا مورد قرار نہیں دیتے ہیں، کیونکہ حربیوں کے اموال

ان حضرات کے نزدیک غیر معصوم اور غیر محفوظ ہیں اور تحقق سود و قمار کے لئے مال کا معصوم ہونا ضروری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ غدر کے سوا کفار کی رضامندی سے دار الحرب میں ان کے اموال میں ہر تصرف جائز ہے۔ اور یہ مسئلہ کتب فقہ حنفی اور فتاوی کی بے شمار جزئیات میں بصراحت مذکور ہے، چنانچہ "مشتے نمونہ از خروارے" چند عبارتیں ذیل میں مذکور ہیں:-

(۱) قال فی الهداية: "ولا (ای لاربوا) بين المسلم والحربي في دار الحرب خلافا لابي يوسف والشافعيؒ لهما الاعتبار بالمسئلة في دارنا ولنا قوله عليه السلام "لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب" ولان مالهم مباح في دارهم فبای طريق اخذ المسلم اخذ مالا مباحاً اذا لم يكن فيه غدر بخلاف المستأمن منهم لان ماله صار محظورا باخذ الامان" اھ

(۲) وقال شارحه "ابن الهمام" في الفتح ص ۳۰۰ ج ۵:

لان مالهم ثمه مباح والطلاق النصوص في مال محظور، انما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر۔

(۳) هكذا في البحر لابن نجيم ص ۱۳۵ ج ۶:

(۴) وفي المبسوط شمس الائمة السرخسيؒ: عن مكحول ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاربوا بين المسلمين وبين اهل دار الحرب في دار الحرب (الحديث) (الى قوله) وكذالك لو باعهم ميتة اوقامرهم واخذ منهم مالاً بالقمار فذالك المال طيب عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله:

(۵) كذا في فتاوى العالمگيرية والشامي وغيرهما من كتب المذهب۔

ان عبارتوں میں دار الحرب میں مسلم اور کافر کے درمیان ربوا وغیرہ کے عدم تحقق کو بتاتے ہوئے اس کی تعلیل میں بار بار فرماتے ہیں "لان مالهم مباح في دارهم" یا "اطلاق النصوص في مال محظور" وغیرہ تو یہ اسی بنیادی فرق کی طرف اشارہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے ان نصوص محرّمہ سے دار الحرب کے غیر مسلم باشندگان کے اموال کو معاملات ربویہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے بلکہ خود حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب" میں ربوا کے تحقق کی دار الحرب میں نفی فرمائی ہے۔ اس کی تفصیل جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ حرمت ربوا کی نصوص کا مورد "مال

معصوم ومحظور" ہے لیکن وہ باشندگان دار الحرب جنہوں نے نہ اسلامی تسلط کو قبول کیا نہ اسلامی قانون کو مانا ان کے بارے میں یہ حرمت کی نصوص نہیں ہیں اور نہ شارع اسلام نے بجز حرمت غدر کے ان کے اموال کے بارے میں اپنے پیروؤں کو کسی مخصوص طریقہ کا پابند فرمایا ہے۔ اب سند المتاخرین حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ فتاوی عزیزی ص ۲۰ ج اول پر ہے:

لیکن ایں قدر ظاہر است کہ گرفتن سود از حربیاں بایں وجہ حلال است کہ مال حربی مباح ست گر در ضمن آں نقض عہد نباشد و حربی چوں خود بخود بدہد بلا شبہ حلال خواہد بود۔ و دادن سود بحربیاں بایں وجہ حلال است کہ خورانیدن حرام بمسلمانان درست نیست و آنہا حرام خوار اند، اگر چیزے بطریق سود دادہ خواہد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواہد خورد۔ و ذمیاں ہرچند کہ کافر حرام خوار باشند در دار الاسلام دادن سود ازیں جہت حرام است کہ ترویج معاملہ سود در دار الاسلام مے شود و در دار الحرب ایں ہر دو علت مفقود ست پس مباح باشد۔

لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ حربیوں سے اس معنی کہ سود لینا حلال اور جائز ہے کہ حربی کا مال باتفاق مباح ہے جبکہ اس کے ضمن میں عہد شکنی نہ ہو اور جب حربی خود بخود دیتا ہے تو اس کے حلال ہونے میں کیا شبہ باقی رہا وہ بے شک حلال و جائز ہے اور حربیوں کو سود دینے کی حلت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو حرام مال کھلانا محض ناجائز اور نادرست ہے بخلاف ان کے کفار حرام خور ہیں پس اگر انہیں کچھ مال بطریق سود دے دیا جائے تو اس سے زیادہ اور کیا خرابی لازم آئے گی کہ حرام مال کھلایا جاتا ہے۔ اور ذمی لوگ اگرچہ کافر حرام خوار ہیں مگر انہیں دار الاسلام میں سود دینا بایں وجہ حرام ہے کہ دار الاسلام میں معاملۂ سود مروج ہوتا ہے۔

بخلاف اس کے دار الحرب میں یہ دونوں علتیں مفقود ہیں، لہذا وہاں سود دینا مباح ہے۔ ترجمہ از مفید المفتی والمستفتی ص۴۵ اور ص (۲۰۹) پر ارقام فرماتے ہیں:

"لاربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" محمول بر ظاہر است و موافق قاعدۂ فقہیہ است و ازیں جنس مسائل بسیار است مثل "لاربوا بین المالک والمملوک" وغیرہ

الفاظ "لاربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" اپنے ظاہر پر محمول اور قاعدہ فقہیہ کے مطابق ہیں۔ نیز اسی قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں، مثلاً "لاربوا بین المالک

لذلک واصل آنست کہ ہرجا گرفتن مال مجانا بلاشرط معاوضہ درست باشد آنجا ربوا حــرام نمی باشد

والمملوک وغیرہ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ جس جگہ بلاشرط معاوضہ مجاناً مال لینا مباح ہے وہاں سود لینا حرام نہیں رہتا رہ صـ۳۴۳ المفید المفتی والمستفتی ترجمہ: ج۲ عزیزی

غرض کہ ان ہر دو عبارتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان اس طرح کے معاملہ میں لینا اور دینا دونوں جائز ہیں، یعنی مسلمان اپنا مال غیر مسلم کو سودی طریقہ پر دے بھی سکتا ہے اور اس سے لے بھی سکتا ہے۔ (۲) اس طرح کا لین دین مسلمانوں کو آپس میں دارالحرب میں بھی جائز نہیں ہے یہ اجازت صرف مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہے اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے سود لینا اور دینا دارالاسلام اور دارالحرب دونوں جگہ ناجائز ہے۔ مبسوط سرخسیؒ کی جلد ۱۴ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اپنے مشائخ کی طرف سے نقل کرتے ہوئے مکتوبات ص ۱۸ ج اوّل پر ارقام فرماتے ہیں، جو اپنی تعلیل کے لحاظ سے ہر دارالحرب پر مشتمل ہے۔ وہو ہٰذا:

"لاشك ان الهند دار الحرب بيد ان حضرت مولانا النانوتوی قدس سره العزيز كان يرى ان من كان سكان لديار الاسلامية يباح لهم يدخل الهند ويأخذ من الحربيين اموالا بالربا او بالقمار مما فيه التراضى بغير نقض عهد واما القاطنون بالهند فليس لهم ذالك ويرى ان النص الفقهية معناه كذالك وله رسالة فى ذالك، واما حضرت مولانا الگنگوهی قدس سره العزيز فكان يرى ان المسلمين القاطنين بالهند ايضاً لهم ان يأخذوه من الانكليز والهند بيد انه كان لا يفتى بهذا الفتوى لمصلحة حفظ العوام"

اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ (صاحب بذل المجہود) اپنے تصحیح شدہ قلمی نسخہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اہل کفار سے سود لینا خواہ ان کے بینکوں میں روپیہ داخل کرکے یا ان کو قرض دے کر ہندوستان میں طرفین رحمہا اللہ کے نزدیک جائز ہے پس جو روپیہ گورنمنٹ کو قرض دیا گیا، اس کا سود اگر گورنمنٹ دے تو لینا جائز ہوگا۔"

حضرت گنگوہیؒ تو ہندوستان میں مسلمان اور کافر کے درمیان سودی کاروبار کو جائز مانتے ہوئے حفظ عوام کی وجہ سے فتویٰ دینے کو خلاف مصلحت سمجھتے تھے لیکن مولانا خلیل احمد صاحبؒ مطلقاً جواز کا

فتویٰ دے رہے ہیں. بہر حال ہندوستان کے پیش نظر حضرت شاہ عبدالعزیز کے وقت سے لے کر اب تک جو حکم چلا آرہا ہے، اگر جمہوریہ افریقیہ کی حالت بھی وہی ہے تو دار الحرب ہونے میں اور مسلم و کافر کے درمیان سودی کاروبار کے متحقق نہ ہونے میں بھی وہی حکم رہے گا.

آپ کی تحریر کے مطابق جمہوریہ افریقیہ میں مسلمان اقل قلیل ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ جمہوریہ میں غلبہ وتسلط غیر مسلموں کا ہے اور یہی مدار ہے دار الحرب ہونے کا۔ چنانچہ امام وقت حضرت مولانا گنگوہیؒ قدس سرہ "فیصلہ الاعلام فی دار الحرب والاسلام" کے صـ۶ـ۷ پر ارقام فرماتے ہیں:

"ہرگاہ کفار چناں مسلط گشتند کہ احکام کفر علی الاعلان و اغلبیہ جاری کردند و اہل اسلام آنقدر عاجز و مغلوب شدند کہ احکامِ خود جاری کردن نمی توانند و رو کفر راکہ شین و عار اسلام است قدرت ندارند پس کدام درجہ اسلام باقی است کہ آں را دارالاسلام گفتہ شود بلکہ تسلط و غلبہ بکمال کفار راشد و دار حرب گشت ۔"

ومثلہ فی الفتاوی العزیزیۃ للشیخ عبدالعزیز الدہلویؒ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم و احکم ۔

حررہ محمد جمیل الرحمٰن غفرلہ
نائب المفتی بدار العلوم دیوبند
یکم شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح
فقیر محمود احمد الصدیقی کان اللہ لہ
مفتی دار العلوم دیوبند